© rasailojaraid.com

کے نان و نفقہ کا انتظام بھی موجود ہو' تو پھر اس رقم سے حج کیا جا سکتا ہے۔ جی پی فنڈ میں ملازم اور ادارے کی طرف سے جمع کردہ رقم تو سود کے شائبے سے پاک ہے' اس کو وصول کرنا اور اس سے حج کرنا تو بلاشبہہ جائز ہے۔ البتہ ادارہ اس رقم کو بنک میں جمع کر کے اس پر سود بھی حاصل کرتا ہے اور جب ملازم کو وہ جی پی فنڈ جاری کرتا ہے تو اس میں یہ رقم بھی شامل ہوتی ہے۔ اس کے سود ہونے کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ رقم سود کے نام سے ادارے کو ملی ہے اور ادارہ اس رقم کو اسی نام سے ملازم کو دیتا ہے۔ لہٰذا اس رقم کو مصارف حج میں شامل نہ کیا جائے بلکہ مستحق فقرا پر صدقہ کر دیا جائے۔ اس لیے کہ سود کی اس رقم کے اصل حق دار تو وہ لوگ ہیں جن سے جی پی فنڈ کی رقم پر سود حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن ان افراد کا پتا چلانا ممکن نہیں ہے اور شرعی ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی مال کا مالک معلوم نہ ہو تو وہ "لقطہ" (گری پڑی چیز) کے حکم میں ہوتا ہے۔ ایسے مال کو اصل مالک کی طرف سے فقرا اور مساکین کو دے دیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ رقم ادارہ اور بنک میں نہ چھوڑی جائے بلکہ اسے ادارے سے لے کر فقرا کو دے دیا جائے۔ سود کی رقم کو فقرا کو دینا ان لوگوں تک پہنچانے کے مترادف ہوگا جن سے اس جی پی فنڈ کی رقم پر سود لیا گیا ہے۔

۲- ایڈوانس تنخواہ پر اا یا ۱۴ فی صد سود دینا پڑتا ہے۔ لہٰذا حج کے لیے اس صورت کا تصور ذہن سے نکال دیجیے۔

۳- اسی طرح رہن رکھ کر بنک سے قرض لینے پر بھی سود لیا جاتا ہے اس لیے یہ بھی ناجائز ہے۔ یہ بات ہم سب کو ذہن نشین کرنا چاہیے کہ حج کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے بیت اللہ شریف کی طرف احرام کی حالت میں نکل کھڑے ہونے کا نام ہے۔ لہٰذا خبیث اور ناپاک مال کو حاصل کرنا' پھر اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کرنا' اللہ تعالیٰ سے دعوائے محبت کے منافی بلکہ دین کے ساتھ استہزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کو آدمی اپنے دل میں اس طرح پرورش دے کہ سودی رقم سے حج کر کے بے اعتدالی اور بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائے۔

نہ صرف حج' بلکہ تمام دینی و دنیاوی کاموں میں سود کی رقم کے استعمال سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ (ع - م)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامعات کا ماحول اور دینی تعلیم

س: ''رسائل و مسائل'' (جنوری ۲۰۰۵ء) میں ''خواتین اور دعوت دین میں رکاوٹیں'' کے تحت پیش کی گئی رائے سے اتفاق نہیں۔ والدین اگر بچیوں کو یونی ورسٹی میں حصولِ تعلیم کی اجازت نہیں دیتے تو بجا ہے۔ اس لیے کہ جامعات کا عربی اور قرآن و سنت کے حوالے سے معیار ناقابلِ اطمینان ہے، جب کہ دینی مدارس اس حوالے سے ایک معیار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ عموماً جامعات کی تعلیم لادینی اور مخلوط ماحول میں ہوتی ہے جو شرعاً صحیح نہیں اور والدین کے لیے عدمِ اطمینان کا باعث بھی ہے۔ لہٰذا خواتین کے لیے دینی مدارس کو ترجیح دینا ہی بہتر ہے۔ خواتین کا بنیادی فریضہ گھر اور بچوں کی تربیت ہے، جب کہ ہمارے ہاں تعلیم ملازمت کے حصول کے لیے حاصل کی جاتی ہے۔ چنانچہ یونی ورسٹی وغیرہ میں خواتین کے حصولِ تعلیم پر اس قدر زور دینا مناسب نہیں۔

ج: کسی بھی شخص کو دلیل اور تجزیے کی بنیاد پر کسی بھی رائے سے اختلاف کا پورا حق ہے۔ لیکن دینی مدارس اور سرکاری یا غیر سرکاری جامعات سے سندِ فراغت لینے والے، عربی اور اسلامیات کے شعبوں کے طلبہ و طالبات کی علمی صلاحیت کے بارے میں عمومی فتویٰ شاید کچھ زیادتی ہے۔ میرے اپنے طلبہ میں ایسے افراد شامل ہیں جو کسی دینی مدرسے سے فارغ نہ تھے، لیکن انھوں نے ایم اے کا مقالہ عربی زبان میں تحریر کیا جسے عرب ممتحنین نے جانچا اور معیاری قرار دیا۔ ان طلبہ اور طالبات میں سے بعض اس وقت اندرون و بیرون ملک تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ہاں، یہ بات درست ہے کہ سرکاری جامعات میں ایم اے اسلامیات کے نصاب میں چونکہ عربی پر عبور نہ شرط ہے اور نہ اس کے لیے دورانِ تعلیم کوئی اہتمام کیا جاتا ہے اس بنا پر کسی کا اسلامیات میں کسی جامعہ سے ایم اے کرنا، عربی پر عبور کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ گذشتہ ۳۵ برس میں جن فارغ التحصیل حضرات کے انٹرویو میں نے خود کیے ہیں، ان میں یہ معاملہ محض سرکاری جامعات نہیں، بلکہ خود دینی مدارس سے فارغ التحصیل حضرات کے ساتھ بھی پیش آیا ہے اور وہ عربی میں تقریباً یکساں معیار کے پائے گئے ہیں۔ الا ماشاءاللہ!

© rasailojaraid.com